(۲)

سترھویں صدی کا طرزِ معاشرت

● ———— سید زاھد علی

شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے دور میں جادوگر اور تماشہ گر بے حد مقبول تھے جو گلی کوچوں میں گھوم کر اپنے کرتب دکھلاتے تھے، سڑکوں پر جیوتشی بھی بیٹھا کرتے تھے۔ برنیئر نے لکھا ہے کہ یہ عقلمند ڈاکٹر (جیوتشی) دھوپ میں سڑکوں کے کنارے بیٹھا کرتے تھے، ایک گرد آلود دری ہوتی تھی، کچھ پرانے حساب کتاب کا سامان جن پر ستاروں اور سیاروں کے نام لکھے ہوتے اور نقشہ بھی بنا ہوتا تھا۔ یہ لوگ غریبوں سے ایک پیسہ کے عوض اُن کی قسمت کا حال بتایا کرتے تھے۔ بے وقوف عورتیں سفید چادروں میں لپٹی لپٹائی جیوتشیوں کے پاس کثرت سے آتی تھیں اور شوہروں کے پوشیدہ راز بھی اُن کے کانوں میں کہہ دیتی تھیں۔ جاہل عوام کا خیال تھا کہ ان جیوتشیوں کے ذریعہ اُن کی قسمت بدل سکتی ہے[۱] آج بھی اگر ہم دہلی کے کستور با (وکٹوریہ) ہسپتال کے باہر سڑک پر پیدل چلیں تو جیوتشی بیٹھے ہوئے دکھائی دیں گے، وہی ایک پرانی سی چادر، اس پر کتابیں اور پانسہ۔ ان کو دیکھ کر شاہ جہاں کے دور کی دلّی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج بھی ہندوستانی عوام توہمات کے شکار ہیں یا بہتر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قدیم تہذیب کی عوامی روایت انہیں ورثہ میں ملی ہے۔

۱۔ سفرنامۂ برنیئر ص ۲۴۴۔

رقص و سرود کی پیشہ ور عورتوں کی ایک علٰحدہ جماعت ہوتی تھی جو تہواروں کے مواقع پر بلائی جاتی تھیں۔ دلی اور آگرہ جیسے بڑے اور اہم شہروں میں یہ عورتیں معقول اُجرت پر مل سکتی تھیں ۲؎ شاہ جہاں کے دور میں یہ عورتیں (کنچن) محل میں آتی تھیں لیکن اورنگزیب نے ان عورتوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا تھا۔ اورنگ زیب کے علاوہ تمام مغل شہنشاہ موسیقی کے دلدادہ تھے۔ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور میں موسیقی اور مصوری اپنی بلندی کے انتہائی درجہ پر پہنچ چکی تھی۔

مشاعرے، قصہ گوئی، باغبانی، مختلف قسم کے میلے اور عرس وغیرہ بھی ہوتے تھے۔ گلستانِ سعدی، بوستان سعدی اور ایران کے مشہور شعراء کے دواوین بے حد مقبول تھے ۳؎۔ اسلامی تہواروں کے علاوہ ایرانی تہوار بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ برنیئر نے محلات کے مینا بازار کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ ان محلوں میں جن میں سوزن کاری اور گلکاری کے اعلیٰ نمونے پیش کئے جاتے تھے، امراء کی خوبصورت عورتیں خاص طور پر حصہ لیتی تھیں۔ یہ حسین عورتیں دکاندار ہوتی تھیں اور بادشاہ، بیگمات اور شہزادیاں خریدار ہوتی تھیں۔ اگر کسی امیر کے پاس کوئی خوبصورت لڑکی ہوتی تھی تو اس کی دلی خواہش ہوتی کہ کسی طرح وہ بادشاہ کی منظورِ نظر ہو جائے۔ کبھی کبھی بادشاہ مول تول میں ایک ایک پیسے پر حجت کرتا تھا۔ شاہ جہاں اس قسم کے میلوں کو بہت پسند کرتا تھا۔ اس قسم کے بازار تقریباً ہر تہوار پر لگائے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کنچن عورتیں ہر بدھ کے روز دیوانِ عام میں لگان جمع کرانے آتی تھیں اور تمام رات وہاں قیام کرتیں اور رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں ۴؎

بادشاہ کی پیدائش کا دن بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ یہ تقریب تمام دن جاری رہتی۔ بادشاہ امراء کے ساتھ اپنی والدہ کی قبر پر جاتا اور نیکی کا طالب ہوتا لیکن شاہ جہاں کے دور میں خالص ہندوستانی رسومات کو ترک کر دیا گیا تھا ۵؎ عبدالحمید لاہوری کا کہنا ہے کہ وہ

۲؎۔ سفرنامۂ منوچی۔ دوم۔ ص ۹۔

۳؎۔ ایضاً ص ۲۷۲۔

۴؎۔ سفرنامۂ برنیئر۔ ص ۲۷۴-۲۷۳۔

۵؎۔ سفرنامۂ فیرک۔ حصہ دوم۔ ص ۲۰۴-۲۰۰۔

تمام چیزیں جن سے بادشاہ کا وزن کیا جاتا تھا، غربا اور مساکین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ بادشاہ کا وزن سونے سے کیا جاتا تھا[۷]۔ ان مواقع پر امرا شہنشاہ کو تحائف دیا کرتے تھے اور بادشاہ امرا کے منصب میں ترقی کرتا تھا، جاگیریں عطا کی جاتی تھیں۔ امرا کے گھر کی مستورات بھی ملکہ کو تحائف پیش کرتی تھیں۔ ایرانی تہواروں میں نوروز کے علاوہ آب پاشان (گل پاشان) کا تہوار بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ منایا جاتا تھا۔ یہ تہوار بارش کی یاد میں ایرانی ماہ 'تیر' کی ۱۳ تاریخ کو منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کے موقع پر موسم بہار کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ عبدالحمید لاہوری کے بقول شاہ جہاں اس تہوار کو ...... عید گلابی کہتا تھا جس میں امرا اور شہزادے اور بادشاہ ایک دوسرے پر عرق گلاب چھڑکتے تھے۔ اکبر کے دور میں ہولی، دیوالی اور دسہرہ بھی منایا جاتا تھا۔ مسلمان محرم، عید میلاد، شب برات، عیدالفطر اور عیدالضحٰی مناتے تھے۔ ان تہواروں پر محلات میں خاص طور پر روشنی کی جاتی تھی۔ دیوان عام میں آتش بازی بھی چھوڑی جاتی تھی[۸]۔ ہندو عوام پریاگ اور ہردوار تیرتھ کے لئے جاتے تھے اور مسلمان اجمیر، پانی پت، حضرت نظام الدین اولیاء اور سرہند میں عرس کی تقریبات میں عقیدت مندی کے ساتھ شریک ہوتے تھے (مینرک)۔ ہندو مسلم امرا کی عورتیں سختی کے ساتھ پردہ کرتی تھیں اور باہر بہت کم جاتی تھیں وہ عام طور پر صبح کو پالکی میں غلاموں کے ساتھ باہر جاتی تھیں۔ یہ پالکی مکان کے اندرونی حصوں تک آ جاتی تھی جہاں پر غیر مردوں کا گذر نہ ہوتا تھا اگرچہ تمام عورتیں پردہ نہ کرتی تھیں۔

لڑکیوں کی پیدائش کو اچھا نہ سمجھا جاتا تھا۔ محلات میں لڑکے کی پیدائش پر خصوصی جشن منائے جاتے تھے اور لڑکی کی پیدائش پر صرف شاہی محلات میں عورتیں ہی خوشی مناتی تھیں اور تمام دربار اس خوشی میں شریک نہ ہوتا تھا[۹]۔ کم عمری میں شادی کا رواج تھا۔ شادی سے پہلے دلہن کو دیکھنا سخت برا سمجھا جاتا تھا۔ کچھ طبقوں میں دولہا کے گھر کے افراد دلہن کے

۷۔ عبدالحمید لاہوری۔ بادشاہ نامہ۔ حصہ اول۔ ص ۲۴۳، ۲۴۴

۸۔ عبدالحمید لاہوری، بادشاہ نامہ۔ حصہ دوم۔ ص ۱۹۸، ۱۹۷

۹۔ سفرنامہ منوچی حصہ دوم ص ۲۴۳

عزیزوں کو روپیہ دیا کرتے تھے ۹؎ ۔

مجموعی طور پر عورتوں کا مقام بلند نہ تھا بلکہ وہ اپنے شوہروں کے ماتحت رہا کرتی تھیں۔ عورتیں اپنے شوہر کے بغیر کھانا نہ کھاتی تھیں۔ پردے کے باوجود عورتیں علم و ادب کے میدان میں بھی حصہ لیتی تھیں۔ دولت مند خاندانوں کی لڑکیاں تعلیم یافتہ ہوتی تھیں اور خاص طور پر شعر و سخن کا بڑا اچھا ذوق رکھتی تھیں ۔

ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لئے ادارے قائم تھے۔ ہندو تعلیمی اداروں میں سنسکرت اور چاروں وید نصاب میں شامل تھے، فلسفہ، سنسکرت، گرامر (قواعد) اور پُران وغیرہ کی بھی تعلیم دی جاتی تھی ۱۰؎ ۔ دلی، آگرہ، لاہور، گجرات اور کشمیر میں اعلیٰ تعلیمی مراکز قائم تھے، خاص طور پر دلی میں کئی ادارے قائم تھے ۱۱؎ لیکن ہندو مسلم تعلیمی ادارے مذہبی اثرات سے خالی نہ تھے۔ ماہم انگا نے ایک مدرسہ خیر المنزل کے نام سے قائم کرایا جو پرانے قلعے کے مغربی دروازے کے مخالف سمت میں قائم تھا ۱۲؎ ہمایوں کے مقبرہ میں بھی ایک مدرسہ قائم تھا۔ شاہ جہاں نے بھی ایک عالی شان مدرسہ قائم کیا جس کا نام دار البقا تھا جو جامع مسجد کے جنوب کی طرف واقع تھا ۱۳؎ مختلف مدارس میں مختلف نصاب ہوتے تھے۔ عام طور پر تعلیم بارہ سال میں مکمل ہوتی تھی۔ اس دور کے کتب خانوں سے بھی لوگوں کی ذاتی قابلیت اور علمی ذوق و شوق کا پتہ چلتا ہے۔ برنیئر نے دلی اور آگرہ کے کتب خانوں کا حال اور وہاں کی علم پروری کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے جس سے مغل بادشاہوں کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے ۱۴؎ ۔

۹؎ ۔ ایضاً حصہ سوم ص ۵۵ ۔ ۱۰؎ ۔ سفرنامہ برنیئر ص ۲۳۵

۱۱؎ ۔ ہندوستان میں قدیم اسلامی درسگاہیں ۔ ص ۲۳

۱۲؎ ۔ ایضاً ابوالحسن علی ندوی ۔ ص ۲۲ - ۲۴

۱۳؎ ۔ آثار الصنادید ۔ سر سید احمد خاں ۔ حصہ سوم ص ۱۲

۱۴؎ ۔ سفرنامہ برنیئر ۔ ص ۲۳۵ ۔

بشکریہ جامعہ دہلی اگست ۱۹۷۷ء